السلام علیک یا اباعبداللہ الحسین

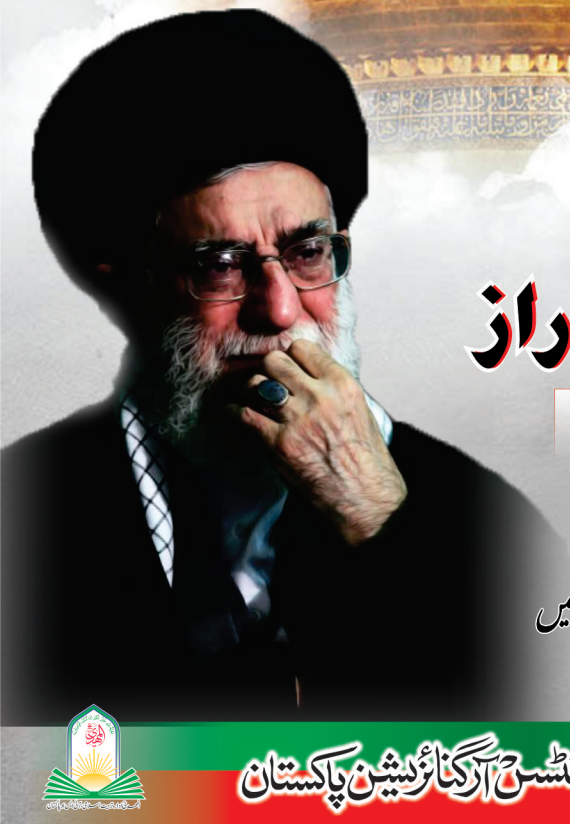

اشکوں کا راز

(فلسفہ عزاداری)

رہبر انقلاب اسلامی

حضرت آیۃ اللہ العظمی سید علی خامنہ ای کی نگاہ میں

امامیہ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن پاکستان

محرم وہ مہینہ ہے جس میں عدالت، ظلم، اور حق
باطل کے مقابلے اٹھ کھڑا ہوا
اور ثابت کر دیا کہ تاریخ کے ہر دور میں
حق کو باطل پر فتح نصیب ہوئی ہے۔

رہبر کبیر امام خمینیؒ

امام حسین علیہ السلام کے قیام میں
تین بنیادی عناصر پائے جاتے ہیں

- عقل و شعور
- عزت و شجاعت
- عشق و محبت

رہبر انقلاب اسلامی سید علی خامنہ ای (حفظہ اللہ)

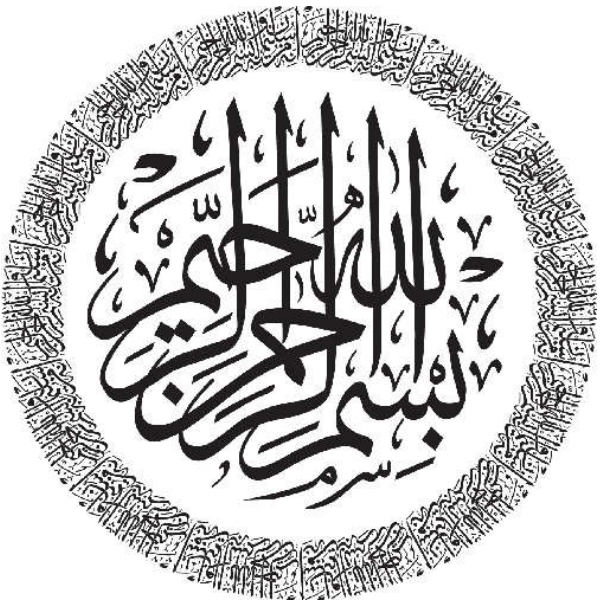
بسم الله الرحمن الرحيم

دعائے امام زمانہؑ

اَللّٰهُمَّ كُنْ لِوَلِيِّكَ الْحُجَّةِ بْنِ الْحَسَنِ
صَلَوَاتُكَ عَلَيْهِ وَعَلٰى آبَائِهِ فِيْ هٰذِهِ السَّاعَةِ
وَفِيْ كُلِّ سَاعَةٍ وَلِيّاً وَحَافِظًا وَقَائِدًا وَنَاصِرًا
وَدَلِيْلاً وَعَيْنًا حَتّٰى تُسْكِنَه اَرْضَكَ طَوْعًا وَ
تُمَتِّعَه فِيْهَا طَوِيْلاً

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

المھدی ادارۂ تربیت اسلامی
آئی ایس او پاکستان

اشکوں کا راز

(فلسفہ عزاداری)

رہبر انقلاب

اسلامی حضرت آیۃ اللہ العظمی سید علی خامنہ ای کی نگاہ میں

سال طبع: محرم ۱۴۴۱ھ، ستمبر 2019ء
طبع: دوّم
کمپوزنگ و ڈیزائننگ: سید حسنین عارف
ناشر: المھدی عج پبلیکیشنز لاہور، پاکستان

برائے رابطہ:

المھدی ادارۂ تربیت اسلامی
آئی ایس او پاکستان
5/A المصطفی ہاؤس، مسلم ٹاؤن موڑ، وحدت روڈ، لاہور، پاکستان
ای میل: almahdi.isopak@gmail.com

اشکوں کا راز

(فلسفہ عزاداری)

رہبر انقلاب

اسلامی حضرت آیۃ اللہ العظمی سید علی خامنہ ای کی نگاہ میں

المھدی ادارہ تربیت اسلامی

آئی ایس او پاکستان

حرف اول:

عاشورا اور قیام امام حسین علیہ السلام سے متعلق سن ۶۱ ھ سے آج تک اس واقعے کے چشم دید گواہوں، ائمہ اطہار علیہم السلام اور خطباء وشعراء کی زبان وقلم سے بہت کچھ لکھا اور کہا گیا ہے لیکن ابھی تک اس وادی کے اسرار ورموز کو بیان نہیں کیا گیا ہے اور بہت کچھ کہنا باقی ہے۔

بقول مولانا روم کے:

گر بگویم شرح این معنی تمام صد قیامت بگذرد وین نا تمام

"اگر اس معنی کی مکمل تشریح کروں تو سو قیامتیں گزر جانے کے بعد بھی اس کی شرح نامکمل رہ جائے گی۔"

گزشتہ چند سالوں میں یعنی انقلاب اسلامی سے پہلے اور اس کے بعد بھی اس عظیم واقعہ کے بارے میں بہت کچھ لکھا اور کہا گیا لیکن آج بھی امت مسلمہ کو اس بات کی ضرورت ہے کہ وہ اس واقعہ کے بارے میں زیادہ سے زیادہ غور وفکر کرے۔

عاشورا ایک عجیب درس ہے اور حقیر کی نظر میں آج کی سسکتی اور دم توڑتی دنیا کا علاج صرف یہ ہے کہ وہ سید الشہداء حسین ابن علی علیہما السلام کا درس پڑھے، اسے سمجھے اور پھر اس پر عمل کرے۔

ایران کی عظیم قوم (اور دیگر مسلم اقوام) اگر صرف اتنا کام کر سکے کہ اپنی زندگی اپنے انقلاب، اپنی جنگ، اپنے سماج اور اپنے معاشرے میں اس عظیم درس کو دنیا کے سامنے جلوہ گر کر سکے تو یہ سب سے بڑی خدمت ہوگی دنیا کی ستمدیدہ اقوام کے لئے۔

آزادی پسند امام:

گزشتہ چند صدیوں کی بنسبت آج حسین ابن علی علیہما السلام کی شخصیت زیادہ معروف ومقبول ہے۔ آج کے حالات میں جب بھی کوئی بے غرض مفکر اور دانشور تاریخ اسلام کا مطالعہ کرتا ہے تو واقعہ کربلا پر پہنچ کر سر تسلیم خم کر دیتا ہے۔ وہ افراد جن کا بظاہر اسلام سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ لیکن آزادی، عدالت، عزت، سربلندی اور دوسرے انسانی اقدار کے قدرداں ہیں وہ سب آزادی، عدالت، استقلال، برائیوں سے مقابلے اور جہالت کے خلاف جنگ میں امام حسین علیہ السلام کو اپنا رہبر وپیشوا مانتے ہیں۔

مقصد قیام؟

امام حسین (ع) سے کہا جاتا تھا کہ پورا مکہ اور مدینہ آپ کا احترام کرتا ہے۔ اور یمن میں آپ کے اتنے

چاہنے والے ہیں کہیں بھی چلے جائیے تا کہ نہ آپ کو یزید سے کوئی مطلب ہو اور نہ یزید کو آپ سے کوئی سروکار۔ اتنے شیعہ، اتنے چاہنے والے، اتنے پیروکار آرام سے زندگی بسر کیجئے، خدا کی عبادت کیجئے اور اس کے دین کی تبلیغ کیجئے آخر یہ قیام کس لئے؟ آپ کا کیا مقصد ہے؟

کیا آپ کا مقصد حکومت تھا؟

بعض لوگ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام کے قیام کا مقصد یہ تھا۔ یزید جیسے فاسق و فاجر انسان کو حکومت سے برطرف کر کے خود حکومت کریں۔ ہم نہیں کہتے کہ یہ بات بالکل غلط ہے البتہ آدھی صحیح ہے۔ ان افراد کے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے سوچا قیام کرتے ہیں اگر کامیاب ہو گئے تو حکومت اپنے ہاتھ میں لے لیں گے اور اگر کامیاب نہ ہوئے تو واپس آجائیں گے۔ یہ بات بالکل غلط ہے۔

جی ہاں! جو حکومت کی غرض سے قیام کرتا ہے وہ وہیں تک آگے بڑھتا ہے جہاں تک ممکن ہو لیکن جہاں اس نے دیکھا کہ اب آگے بڑھنا ناممکن ہے تو پلٹ آتا ہے۔ اگر کسی کا مقصد حکومت قائم کرنا ہے تو اسے وہیں تک جانا چاہیے جہاں جانے کا امکان ہے لیکن جہاں سے آگے بڑھنا ممکن نہ ہو عقلمندی یہی ہے کہ پلٹ آئے۔

جو شخص یہ کہتا ہے امام حکومت علوی کے قیام کے لئے اٹھے تھے اور اس کی مراد یہ ہو جو ہم نے بیان کیا تو اس کا نظریہ صحیح نہیں ہے اس لئے کہ امام حسین علیہ السلام کے قیام سے کہیں بھی یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔

تو پھر کیا قیام کا مقصد شہادت تھا؟

بعض لوگ کہتے ہیں یہ حکومت وکومت سب بیکار کی باتیں ہیں امام حسین علیہ السلام جانتے تھے کہ وہ حکومت کا قیام عمل میں نہیں لا سکتے وہ تو اس لئے آئے تھے تا کہ خدا کی راہ میں قربانی دیں اور شہید ہو جائیں۔

ایک مدت تک لوگ اسی نظریہ کے قائل تھے۔ بعض لوگ شاعرانہ تعبیروں کے ساتھ اسے بیان کرتے بلکہ بعض بزرگ علما بھی اس کے قائل ہو گئے تھے۔ وہ سب کہتے ہیں کہ امام عالی مقام نے دیکھا کہ اب زندہ رہنے کا کوئی مقصد نہیں لہٰذا شہادت کے ذریعہ ہی کچھ کیا جائے۔

اسلام اس کی بھی اجازت نہیں دیتا اس لئے اسلام اس بات کا قائل نہیں کہ جاؤ اور اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالو اور قتل کر دیئے جاؤ۔ شریعت اور دین نے جس شہادت کی بات کی ہے اس شہادت کا مطلب یہ ہے انسان ایک عظیم مقصد کی خاطر قیام کرے اور اس راہ میں اپنی جان بھی دیدے۔ یہ ہے وہ شہادت جسے اسلامی اور دینی شہادت کہا جا سکتا ہے شہادت یہ نہیں ہے میں دوڑ کر میدان میں جاؤں تا کہ شہید کر دیا جاؤں یا شاعرانہ تعبیر میں

کہا جائے کہ میرا خون ظلم وستم کے ایوان ہلا دے اور اسے منہ کی کھانی پڑے۔ امام حسین علیہ السلام کے عظیم قیام کا مقصد یہ بھی نہیں تھا جو کہا جاتا ہے۔

ایک واجب کو انجام دینا:

لہٰذا نہ کلی طور پر یہ کہا جاسکتا ہے امام عالی مقام نے حکومت کے لئے قیام کیا اور نہ یہ کہا جاسکتا ہے ان کے قیام کا مقصد شہادت تھا۔

میری نظر میں جو لوگ "حکومت" یا "شہادت" کے قائل ہیں انہوں نے ہدف اور نتیجہ کو ملا دیا ہے۔ امام کے قیام کا مقصد یہ نہیں تھا، امام کے قیام کا مقصد کچھ اور تھا البتہ اس ہدف تک پہنچنے کے لئے انہیں ایک ایسا راستہ طے کرنا تھا جس کا نتیجہ دو ہی چیزیں حکومت یا شہادت امام حسین علیہ السلام ان دونوں چیزوں کے لئے آمادہ تھے۔ انہوں نے حکومت کے مقدمات کو بھی فراہم کرلیا تھا اور شہادت کی آمادگی بھی کر چکے تھے۔ اب جو بھی ہاتھ آتا وہی صحیح تھا ،اس میں کوئی عیب نہیں تھا لیکن ان میں سے کوئی بھی مقصد نہیں تھا بلکہ نتیجہ تھا۔ ہدف کچھ اور ہوتا ہے۔

اگر امام حسین علیہ السلام کے صحیح ہدف کو بیان کرنا ہے تو اس طرح سے کہا جاسکتا ہے کہ امام عالی مقام کے قیام کا ہدف ایک ایسے واجب کی انجام دہی تھا جو امام حسین علیہ السلام سے پہلے کسی نے انجام نہیں دیا تھا یہاں تک کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امام علی علیہ السلام اور امام حسن علیہ السلام نے بھی (اپنے زمانے کے حالات کے مطابق انہیں ضرورت پیش نہ آئی)۔

اسلام کا ایک رکن:

اسلام کے عملی احکام کا صرف ایک حکم جسے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان کیا تھا لیکن اس پر عمل نہیں کیا تھا۔ اور یہ اسلامی نظام کے ارکان کا ایک اہم رکن ہے۔ اور وہ حکم اور رکن یہ تھا کہ جب بھی اسلامی نظام اور اسلامی معاشرے کی گاڑی پٹری سے نیچے اتر جائے اور اس کا نظام بالکل الٹ جائے تو اس وقت امت مسلمہ کی ذمہ داری کیا ہے؟ اگر بانی اسلام تمام اسلامی احکام وقوانین بیان کرتے لیکن صرف یہ ایک حکم بیان نہ کرتے تو ان کا کام ناقص رہ جاتا لیکن انہوں نے یہ بھی بیان کر دیا تھا۔ وہ مسلمانوں سے کہہ کر گئے تھے اگر کسی وقت بھی اسلامی معاشرہ اسلام کے دائرے سے باہر نکل جائے اور صاحبان قدرت وثروت، مسلم نما منافقین یا کوئی بھی اسلامی سماج کا رخ بدلنا چاہے تو اس کے مقابلے میں امت مسلمہ کو کیا کرنا ہوگا؟ پیغمبر اکرم (ص) یہ کہہ کر گئے

تھے لیکن خود عمل نہیں کر سکے کیونکہ پیغمبر اکرم (ص) جب تک حیات تھے تب تک امت مسلمہ اور اسلامی معاشرے میں ایسا کوئی انحراف پیدا نہیں ہوا تھا ۔اسلام کا یہ رکن پیغمبر اکرم (ص) نے اس لئے بیان کیا تھا کیونکہ ان کے بعد ان کے جانشینوں کے زمانے میں ایسا ہونا عین ممکن تھا چاہے وہ کسی بھی جانشین کے زمانے میں ہوتا۔جس امام کے زمانے میں بھی یہ صورتحال پیدا ہوتی اسے وہی کرنا ہوتا جو پیغمبر نے بتایا تھا۔ اگر امیر المومنین علی علیہ السلام کے زمانے میں ہوتا تو وہ ویسا ہی کرتے جیسا پیغمبر (ص) نے بتایا تھا یا اگر امام علی نقی علیہ السلام یا امام حسن عسکری علیہ السلام کے زمانے میں ہوتا تب بھی ان کی یہی ذمہ داری تھی ۔اب چونکہ یہ صورتحال امام حسین علیہ السلام کے زمانے میں پیش آئی لہٰذا ان کی ذمہ داری تھی کہ وہ اس پر عمل کرتے ۔تا کہ اسلامی نظام اور اسلامی سماج کو دوبارہ اسی حالت پر لے آتے جہاں پر وہ پہلے تھا ۔ یہ امام عالی مقام کی ذمہ داری تھی اور واقعہ عاشورا کی واقعیت اور حقیقت یہی ہے ۔

فلسفہ قیام امام حسینؑ انقلاب اسلامی کی بنیاد:

امام حسین علیہ السلام نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس میں تمام لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا: "ایھا الناس " اے لوگو! یعنی اے وہ لوگو! جو میرے ساتھ اور میری تحریک حقیقت اور مقصد کو سمجھنا چاہتے ہو، اور اے وہ لوگو! جو آج دشمن بن کر ہمارے سامنے کھڑے ہو اور اے غیر جانبدار غافلو! جن تک میرے (حسینؑ) قیام کی خبر پہنچے گی لیکن تمہیں معلوم نہ ہوگا کہ میں نے کیوں قیام کیا۔اور اے وہ لوگو! جو اسلام کے احکام اور خدا کی شریعت کو جاننا چاہتے ہو ہماری تحریک سے بے خبر ہو۔

تم سب جان لو!" ایھا الناس ان رسول اللہ قال من رأی سلطاناً جائراً مستحلاً لحرم اللہ ناکثاً لعھد اللہ یعمل فی عباد اللہ بالجور والعدوان فلم یغیر علیہ بقول ولا فعل کان حقا علی اللہ ان یدخلہ مدخلہ "

یہ پیغمبر اکرم (ص) کے کلمات ہیں میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا ہوں، یہ وہی حکم ہے جو پیغمبر نے دیا ہے اور میں اس حکم پر عمل کر رہا ہوں اور وہ حکم یہ ہے کہ جب تم میں سے کوئی بھی یہ دیکھے کہ معاشرے کی باگ ڈور کی ایسے شخص کے ہاتھوں میں ہے جو لوگوں پر ظلم وستم کرتا ہے ۔اس کے دل میں لوگوں کی نسبت بغض وعداوت اور کینہ ہے ۔اسے لوگوں سے کوئی لگاؤ نہیں اور لوگوں سے بالکل محبت نہیں کرتا۔اسے اس سے سروکار نہیں ہے معاشرے کی مصلحت کیا ہے بلکہ اسے اس سے مطلب ہے کہ وہ کیا چاہتا ہے اور اس کا فائدہ کس چیز میں ہے ۔جو بھی ایسے شخص کو برسر حکومت دیکھے اور اس کے خلاف قیام نہ کرے بلکہ بت بنا دیکھتا رہے تو خدا کو حق ہے کہ قیامت کے دن اسے بھی وہی سزا دے جو اس ظالم کی ہوگی ۔یہی وہ انجن تھا جس نے ہمارے انقلاب کی گاڑی

کو آگے بڑھایا۔

سب سے بڑا ہنر:

امام حسین علیہ السلام کے چاہنے والوں اور پیروکاروں میں بہت سے امام حسین (ع) اور ان کی تحریک کو سمجھ چکے تھے (اس لئے امام کے نقش قدم پر چل پڑے) اور بعض نہیں سمجھ پائے تھے (اس لئے وہ قافلۂ حسینی سے پیچھے رہ گئے)۔

دشمن تو خیر دشمن تھے۔ دشمن ایسے تھے جیسے ایک گہرا سمندر ہو اور اس کی خطرناک اور سرکش موجیں۔ دوستوں میں بعض دانا تھے جو امام کی معرفت حاصل کر چکے تھے اسی لئے ان حساس لمحوں میں حسین ابن علی کو تنہا نہیں چھوڑا اور بعض امام کے پاس ہوتے ہوئے انہیں نہ سمجھ پائے اور غلطی کر بیٹھے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ عبداللہ ابن عباس اور عبداللہ ابن جعفر کو اسلام اور خاندان پیغمبر سے محبت نہیں تھی؟ یہ سب تو پیغمبر اکرم (ص) کے دامان محبت میں پروان چڑھے تھے لیکن یہاں غلطی کر بیٹھے۔ نہیں جانتے تھے کہ وہ سرزمین جس کا دفاع واجب ہے کہاں ہے اور وہ چیز جس کے لئے فداکاری کرنی چاہئے کون سی ہے؟ مدینہ ہی میں رہے تا کہ چار مسئلے بیان کر سکیں لیکن اسلام مجسم، قرآن ناطق، فاطمہ کے لخت جگر حسین کو تنہا چھوڑ دیا۔

بعض لوگ کربلا تک آئے، جنگ کی، امام کا دفاع بھی کیا لیکن آخری لمحوں میں امام کی خدمت میں آ کر کہنے لگے: مولا ہم سے جہاں تک ہو سکتا ہے آپ کا دفاع کیا اب اگر آپ کی اجازت ہو تو ہم خدا حافظی کریں (اور اپنے گھروں کو جائیں) امام نے بھی اجازت دے دی اور کہا بسم اللہ آپ لوگ جا سکتے ہیں۔ بہت سے افراد تھے جو اس وقت خاموش رہے اور بیٹھے رہے جب اسلام کے لئے سب سے بنیادی اور ضروری دفاع کا وقت تھا۔

آج بھی جو لوگ اسلام کا دم بھرتے ہیں، اسلام کی باتیں کرتے ہیں اور اسلام کے دعویدار ہیں، ان میں سے بہت سے نہیں جانتے کہ اسلام کہاں ہے اور کہاں اسلام کا دفاع کرنا چاہئے۔ سب سے بڑا ہنر یہ ہے کہ انسان صحیح وقت اور جگہ کو پہچانے۔ حبیب ابن مظاہر جیسے افراد نے اچھی طرح پہچان لیا تھا (اس لئے آخری دم تک امام کا ساتھ نہیں چھوڑا) جناب زینبؑ نہ صرف خود بلکہ اپنے بچوں کو بھی لے کر آ گئیں۔ جب کہ ان کے شوہر عبداللہ ابن جعفر مکہ یا مدینہ میں بیٹھے رہے اور کربلا نہیں آئے۔ جناب زینب یہ کہہ سکتی تھیں کہ میں اپنے بھائی کے ساتھ جا رہی ہوں بچوں کو باپ کے پاس چھوڑ کے جاتی ہوں لیکن وہ بچوں کو بھی لے کر آئیں اور ان کے دونوں بیٹے کربلا میں شہید ہو گئے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو بصیرت رکھتے ہیں اور انہیں معلوم ہوتا ہے کہ کہاں پر کیا کرنا ہے۔

سچائی کا خاتمہ ہو جاتا:

امام عالی مقام جانتے تھے کہ اگر انہوں نے یہ قیام نہ کیا تو ان کا یہ سکوت اور خاموشی رضامندی کی علامت بن جائے گی اور پھر اسلام پر کیا مصیبت آن پڑے گی۔ جب ایک طاقت معاشروں یا کسی ایک معاشرے کے تمام وسائل پر قبضہ کر لے اور طغیان و بربریت کے راستے پر گامزن ہو جائے، ایسے موقع پر حق و حقیقت کے علمبردار اگر خاموش بیٹھے رہیں اور ان کے مقابلے میں کھڑے نہ ہوں تو گویا وہ بھی اس طاقت کے عمل سے راضی ہیں چاہے درحقیقت وہ راضی ہوں یا نہ ہوں۔ یہی وہ گناہ تھا جو اس وقت بنی ہاشم کے بہت سے بزرگوں اور صدر اسلام کی اہم شخصیات کی اولاد نے انجام دیا لیکن امام حسین علیہ السلام کے لئے یہ بات ناقابل برداشت تھی اس لئے آپ نے قیام کیا۔

واقعہ کربلا کے بعد جب قافلۂ حسینی واپس مدینہ میں آیا۔ (یعنی مدینہ مدینے سے نکلنے کے دس، گیارہ مہینے بعد) ایک شخص امام سجاد علیہ السلام کی خدمت میں آیا اور کہنے لگے: دیکھا کیا ہوا؟ کیا ملا وہاں جا کر؟ امام نے اس کے جواب میں فرمایا: سوچو اگر نہ جاتے تو کیا ہوتا؟!

جی ہاں! اگر نہ جاتے تو کیا ہوتا! جسم تو زندہ ہوتے لیکن سچائی دم توڑ چکی ہوتی، روح فرسودہ ہو جاتی، ضمیر مردہ ہو جاتے عقل و خرد کا جنازہ نکل جاتا اور اسلام کا نام و نشان باقی نہ رہتا۔

امام حسینؑ کا علماء سے خطاب:

اس وقت کے علماء کا ایک گروہ تشکیل پایا جنہوں نے پیغمبر اسلام کو دیکھا تھا، جو ان کے صحابی تھے، جنہوں نے خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یا ان افراد سے حدیثیں تھیں جو پیغمبر سے حدیثیں نقل کرتے تھے۔ وہ افراد جو لوگوں کی نگاہوں میں قابل احترام تھے اور دانشوران قوم کہے جاتے تھے۔ انہیں افراد میں سے کچھ کو حسین ابن علی نے منیٰ کے میدان میں اکٹھا کیا اور ان سے ایک مفصل گفتگو کی۔ گفتگو کے آخر میں امام عالی مقام آسمان کی طرف رخ کرتے ہیں اور فرماتے ہیں (اللهم انك تعلم انه لم يكن ما كان منا منافسة في سلطان)۔

خدایا تو بہتر جانتا ہے کہ جو کام ہم نے شروع کیا ہے، جو قدم ہم نے اٹھایا ہے، جو باتیں ہم کہتے ہیں یہ ان اہداف و مقاصد کے لئے نہیں ہیں جو عام طور سے دنیا طلب، جنگجو اور لشکر کشی کرنے والے افراد کے ہوا کرتے تھے یا ہوا کرتے ہیں (ولكن لنرى المعالم من دينك) ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ لوگ پرچم اسلام کو پہچانیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ دین کی ان پوشیدہ علامتوں قرآن و اسلام کی فراموش شدہ اقدار، اہداف اور اصولوں کو دوبارہ زندہ

کریں جن پر بہت زیادہ گرد وغبار پڑ گیا ہے (و نظهر الاصلاح فی بلادك) اور ہمارا ارادہ ہے کہ تیری سرزمین اور تیرے شہر میں اصلاح کریں۔ ہم چاہتے ہیں کہ اسلامی معاشروں کو آباد کریں، اس ظلم، اس طبقاتی اختلاف غربا کا شدید فقر اور بعض افراد کی حد سے زیادہ دولت نہ رہے۔ انسان ظلم کا شکار نہ ہو، ناانصافی اور رواداری نہ رہے اور سب کچھ ٹھیک ہو جائے۔ (ویامن المظلومون من عبادك) اور ہماری تحریک کا مقصد یہ ہے کہ تیسرے ستدیدہ اور مظلوم بندوں کو امن وامان اور سکون دلائیں۔

وہ ایسا زمانہ تھا کہ جو بھی حکام وقت کی عیش ونوش اور ہوسرانیوں کے خلاف آواز بلند کرتا تھا اسے سخت سے سخت سزا دی جاتی تھی۔

شہدائے کربلا کی عظمت کا راز:

تمام شہداء برابر نہیں ہیں بلکہ بعض شہادتیں بعض دوسری شہادتوں سے افضل و برتر ہیں۔ شہدائے کربلا اس لئے دوسرے شہدا پر افضلیت نہیں رکھتے کہ وہ بھوکے پیاسے شہید ہوئے۔ ایسے بہت سے شہدا ہیں جو آخر وقت تک تشنہ لب رہے۔ بلکہ شہدائے کربلا کی فضیلت اس حساس موقع پر شہید ہونا ہے۔ ان حالات میں اگر یہ واقعہ پیش نہ آتا اور یہ شہادتیں نہ دی جاتیں تو دین کی بساط الٹ کر رہ جاتی۔ جو کام جتنا حساس ہوا اتنا سخت بھی ہوتا ہے۔ اسی لئے اس بات کا یقین کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی کہ حسین ابن علی علیہما السلام پانچ مہینے یا اس سے کچھ زیادہ مکہ اور مدینہ کے درمیان سرگرداں رہے تاکہ سب لوگ جان لیں (کہ کیا ہونے والا ہے اور وہ کیا کرنے والے ہیں) اور سب جان بھی گئے کوفی، عراقی، حجازی سب کو معلوم ہو گیا تھا۔ اور امام صرف چالیس پچاس لوگوں کے ساتھ کربلا میں داخل ہوئے۔ کیونکہ سب اسی دن امام کے ساتھ نہیں آئے تھے بلکہ بہت سے بعد میں آئے تھے اور کچھ تو شب عاشور یا صبح عاشور امام سے ملحق ہوئے تھے۔ ان چالیس آدمیوں کا امام کے ساتھ رہنا یقینا بہت سخت تھا اس لئے کہ دشمن کے اتنے بڑے سیلاب کے سامنے ڈٹے رہنا معمولی بات نہ تھی بلکہ اس کے لئے مضبوط ارادہ اور دل ہونا چاہئے۔

پیغمبر کے زمانے کی طرح نہیں تھا کہ پیغمبر خود ہاتھ میں پرچم لے کر نکلتے تھے اور سب لوگ ہنستے اور مسکراتے ہوئے پیغمبر کی ہمراہی میں نکلتے اور میدان جنگ میں پہنچ جاتے تھے۔ آج تمام اصحاب پیغمبر (ص) گھروں میں بیٹھ گئے تھے عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن زبیر اور دوسرے افراد منہ چھپا کر بیٹھ گئے تھے جب کہ یہ لوگ پیغمبر کے قرابتداروں میں سے تھے۔

صرف ایک محدود سا شجاع بہادر، نڈر، کفر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے والا اور اسے حقارت کی نظر سے دیکھنے والا گروہ آمادہ تھا کہ تمام چیزوں کو نچھاور کر کے پیغمبرؐ کے نواسے پر اپنی جان قربان کرے۔

شہدائے کربلا کی اہمیت کی وجہ یہ ہے۔چونکہ اس وقت یہ فیصلہ بہت سخت اور دشوار تھا۔اسی لئے ابن زبیر،ابن عمر،ابن جعفر اور ابن عباس جیسے افراد اس قافلہ میں شامل نہ ہوسکے اور یہ سب ایک صف میں تھے ان میں کوئی فرق نہیں تھا۔کوئی یہ تصور نہ کرے کہ عبد اللہ ابن عباس دوسروں سے الگ تھے۔جی نہیں ایسا نہیں ہے! نا فرمانی نافرمانی ہے چاہے وہ کوئی بھی کرے۔ان سب نے نافرمانی کی تھی کسی میں بھی جرائت نہیں تھی کہ حسین ابن علی کا ساتھ دے سوائے ان چند افراد کے۔

ہم پوری تاریخ میں شہدائے کربلا جیسے عظیم شہدا تلاش نہیں کر سکتے۔آج بھی ویسے ہی دن ہیں آج ہمارے شہدا بھی بہت عزیز اور باعظمت ہیں لیکن جیسا کہ امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا تھا (لا یوم کیومك یا ابا عبد اللہ) کوئی دن کربلا کے دن کی طرح نہیں ہوسکتا۔تاریخ میں آج تک ایسا دن نہیں آیا۔اسلام سے پہلے،صدر اسلام میں اور اس کے بعد سے آج تک ہمیں ایسا کوئی دن نہیں ملتا جو کربلا کی طرح ہو۔یہی وجہ ہے امام حسین علیہ السلام کو سید الشہداء اور بقیہ شہدائے کربلا کو شہدائے تاریخ کا سردار کہا جاتا ہے جو سب سے عظیم اور سب سے برتر ہیں۔

چراغ ہدایت:

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث مبارکہ یقینا آپ نے سنی ہوگی۔۔۔

(ان الحسین مصباح الھدیٰ و سفینۃ النجاہ)

بے شک حسین (ع) ہدایت کا چراغ اور نجات کی کشتی ہے۔یہ صرف کسی ایک خاص زمانے سے مخصوص نہیں ہے بلکہ ہر زمانے میں ایسا ہی ہے۔البتہ بعض زمانوں میں خاص طور پر اس کا جلوہ نظر آتا ہے۔جب واقعہ عاشورا پیش آیا یہ انہیں زمانوں میں سے تھا۔علی و فاطمہ کے لخت جگر کا چراغ ہدایت اور کشتی نجات ہونا ان لوگوں کی سمجھ میں آگیا جو ان کی معرفت حاصل کر چکے تھے۔امام حسین واقعہ عاشورا سے دس سال پہلے منصب امامت پر فائز ہو چکے تھے آپ اس وقت بھی چراغ ہدایت اور کشتی نجات تھے لیکن یہ بات لوگوں کے لئے اتنی واضح اور روشن نہیں تھی واقعہ عاشورا میں واضح طور پر جلوہ گر ہوئی۔آج بھی وہی زمانہ ہے۔آج سے سو سال بلکہ پانچ سو سال کی بنسبت امام عالی مقام کا چراغ ہدایت ہونا زیادہ سمجھ میں آتا ہے۔آج جب ہم کہتے ہیں کہ یہ زمانہ عصر تحریک اور عصر انقلاب ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ آج حسین ابن علی پھر سے ایک ماہتاب عالم تاب بن کر چمک اٹھے ہیں (جو تیرہ سو سال سے اس امت کے دل میں،ہماری مسجدوں امامباڑوں اور ہماری مجالس ومحافل میں ایک چراغ بن کر چمک رہے تھے) جیسے واقعہ کربلا کے وقت بہت سے افراد تھے جو اس چراغ کی نورانیت کو نہ دیکھ سکے آج بھی ایسے افراد ہیں جو دل افروز چراغ عالم تاب کو نہیں دیکھ پا رہے ہیں۔

غیر جانبدار لوگ:

پیغمبر اکرم (ص) نے ارشاد فرمایا: جب بھی معاشرے پر ایسا حاکم مسلط ہو جائے جو حلال خدا کو حرام اور حرام خدا کو حلال کر رہا ہو، خدا کے عہد و پیمان کو پامال کر کے لوگوں پر ظلم وستم ڈہا رہا ہو اور کینہ و دشمنی کی بنیاد پر لوگوں سے بدسلوکی کر رہا ہو، تو جو انسان اس صورتحال کو دیکھ رہا ہو، اپنی زبان و عمل سے اس کے خلاف کوئی اقدام نہ کرے (کان حقا علی اللہ ان یدخلہ مدخلہ) خدا کو حق ہے کہ اس شخص کو بھی وہیں رکھے جہاں اس ظالم کا ٹھکانہ ہے اور اسے بھی اس کے ساتھ عذاب میں مبتلا کرے۔ آج بہت سے اسلامی ممالک میں ظالم و جابر حاکموں کی حکومت ہے جو حلال خدا کو حرام اور حرام الٰہی کو حلال کرنے میں لگے ہیں۔ خدا کے عہد کو توڑ کر امریکہ سے عہد و پیمان کرتے ہیں۔ ایسے ممالک میں وہ لوگ جو خاموش تماشائی بنے ہیں اور اس ظلم کے مقابلے اپنی کوئی ذمہ داری نہیں سمجھتے یہ لوگ درحقیقت کس زمرے میں ہیں؟ یہ سب قوت و طاقت جو خدا کی ملکیت ہے ان افراد کے ہاتھ سے نکل کر غیروں کے ہاتھ میں جا رہی ہے۔ جہاں پر اتنا فساد ہو ظلم و زیادتی اور ناانصافی ہو وہاں خاموش اور بے پرواہ رہنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان نے اپنی معنوی قوت کو روک لیا ہے اور اسے خدا کی راہ میں خرچ نہیں کر رہا ہے۔ یہ پیغمبر اکرم (ص) کا بیان ہے کسی اور کا نہیں۔ حسین ابن علی کا قیام بھی اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے اس ظلم و زیادتی اور فساد کے مقابلے میں اپنی قوت و طاقت کا استعمال کیا اور انسانیت و تاریخ کو اس بات کا سبق سکھایا کہ اگر تمہارے سماج میں اس طرح کی صورتحال پیش آئے تو تمہیں کیا کرنا چاہیے!

جہالت اور گمراہی کے خلاف جنگ:

امام حسین علیہ السلام کی زیارت اربعین میں ایک جملہ ہے جو اس زیارت کے دوسرے بہت سے جملوں کی طرح پر معنی اور غور طلب ہے اور وہ جملہ یہ ہے (و بذل مهجته فيك) یہ ایک زیارت ہے لیکن اس کے ابتدائی جملے دعائیہ کلمات ہیں جس میں انسان خداوند متعال سے مخاطب ہو کر کہتا ہے (و بذل مهجته فيك) یعنی اے پروردگار! حسین ابن علی نے اپنی جان اور اپنا خون تیری راہ میں قربان کیا (ليستنقذ عبادك من الجهالة) تاکہ تیرے بندوں کو جہالت کی دلدل سے باہر نکالے (و حيرة الضلالة) اور گمراہی میں سرگرداں ہونے سے بچائے۔

یہ سکہ کا ایک رخ ہے جسے حسین ابن علی (ع) کہا جاتا ہے سکے کے دوسرے رخ کا تعارف اس جملے کے ذریعے کروایا جا رہا ہے (و قد تزاور عليه من غرته الدنيا و باع حظه بالارذل الادنى) یہ وہ لوگ

تھے جنہیں زندگی کے فریب نے خود میں مشغول کر دیا تھا ۔مادی دنیا، اس کی زرق و برق اور خواہشات نفسانی نے انہیں خود سے غافل بنا دیا تھا (و باع حظه بالارذل الادنی) انہوں نے سعادت و خوشبختی جیسے عظیم سرمایہ کو، جو خدا خلقت کے ساتھ ہر انسان کو عطا کرتا ہے، بہت ناچیز اور حقیر داموں میں بیچ دیا تھا، یہ ہے حسینی تحریک کا خلاصہ۔ اگر چہ امام حسین علیہ السلام کا ظاہری مقابلہ یزید سے تھا لیکن درحقیقت ان کا مقابلہ اس کم عمر کے یزید سے نہیں تھا بلکہ ان کا مقابلہ جہالت، ذلت، گمراہی اور انسان کی زبوں حالی سے تھا۔ امام حسین علیہ السلام ان چیزوں سے مقابلہ کر رہے تھے۔

دین کے لئے فداکاری:

عاشورا کا سب سے پہلا سبق دین اور خدا کی راہ میں فدا ہو جانا ہے ۔عاشورا کا یہ سب سے واضح درس ہے۔ان سخت حالات میں امام عالی مقام نے تمام مسلمانوں بلکہ تمام عالم بشریت، تمام آزاد منش افراد چاہے وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم، کو یہ درس دیا کہ اگر انسان کا شرف، اس کی آزادی اور استقلال، انسانی اقدار اور مسلمانوں کا دین خطرے میں پڑ جائے تو ان سخت شرائط میں بھی دین کا دفاع ایک اسلامی اور انسانی فریضہ ہے۔ یہ نہ کہا جائے کہ حالات سخت ہیں یہ بہانہ نہ بنایا جائے کہ بہت مشکل ہے۔ دین کا دفاع ہمیشہ اور ہر حال میں کیا جا سکتا ہے۔حسین ابن علی (ع) نے محکم ارادے، جذبۂ فداکاری اور شہادت طلبی کے ذریعہ ان سخت حالات میں دین کا دفاع کیا جب وہ بالکل اکیلے تھے۔ بنی ہاشم اور قریش کے بزرگوں اور اصحاب کی اولاد نے بھی امام کا ساتھ نہ دیا۔مکہ میں عبداللہ ابن زبیر، مدینہ میں عبداللہ ابن عباس اور عبداللہ ابن عمر یعنی وہ افراد جن کے باپ صدر اسلام کی قد آور اور نامی شخصیتیں تھیں اور لوگوں کی چشم امید ان پر لگی ہوئی تھی۔ یہ وہ لوگ جن سے لوگوں کی امیدیں وابستہ تھیں لیکن یزیدی ظلم کے مقابلے اٹھ کھڑے ہونے پر تیار نہ ہوئے اور پیغمبر کی نصرت پر آمادہ نہ ہوئے۔کیا حسین ابن علی ان کی نصرت کی امید لگائے بیٹھے تھے؟ کیا ان کی مدد نہ کرنے سے امام اپنے عمل سے دستبردار ہو جاتے؟ نہیں امام نے ایسا کچھ بھی نہیں کیا۔جب بیچ راستے ہی میں امام کو خبر ملی کہ اب کوفے والے ان کا ساتھ نہیں دیں گے اور وہ اکیلے رہ گئے ہیں تو وہ پیچھے نہیں ہٹے۔جب کربلا کے اس بیابان میں ان کے تمام ساتھی شہید ہو گئے اور صرف چند خواتین یا بچے باقی بچے تو اس وقت بھی دفاع اور جہاد کو جاری رکھا ۔اگر آخری وقت تک امام راضی ہو جاتے اور سر تسلیم خم کر دیتے تو یزیدی فوراً مان لیتے ۔لیکن امام اس کے آگے جھکے نہیں۔ یہ ایک عظیم درس تھا کربلا کے واقعہ کا۔

جب دینداروں کی قلت ہو جائے:

عاشورا کا ایک درس یہ بھی ہے کہ اس نے افراد کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا کوفے کے بہت سے بزرگوں اور روٴسائے شہر نے امام حسین (ع) کو خط لکھ کر بلایا تھا اور یہ دعوت اس وقت دی تھی جب امام مدینہ سے نکل چکے تھے ۔لوگوں کو خبر نہیں تھی کہ ماجرا کیا ہے؟ ان کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ ایک سخت امتحان اور دشوار مرحلہ سے گزرنا ہوگا۔مکہ سے بہت سے افراد امام کے ساتھ نکلے تھے لیکن انہیں معلوم نہیں تھا کہ اس تحریک کا انجام کیا ہوگا۔اگرچہ بظاہر راستہ دشوار نظر آرہا تھا لیکن ابھی حقیقت حال سے بے خبر تھے ۔جیسے ہی حقیقت دھیرے دھیرے ظاہر ہونے لگی حق وحقیقت کے طرفدار کم ہونے لگے ۔سختیوں نے اہل دنیا کو بھگا دیا۔جیسے کہ خود امام فرماتے ہیں (الناس عبید الدنیا و الدین لعق علی السنتھم فاذا محصوا بالبلاء قل الدیانون) اس وقت صورت حال بالکل یہی تھی ۔جب مشکلات سامنے آتی ہیں تو دینداروں کی تعداد میں کمی ہونے لگتی ہے اور جب تک آرام اور سکون ہے دعویدار بہت ہوتے ہیں ۔اس وقت مکہ، مدینہ، کوفہ اور پورے عالم اسلام میں بہت سے افراد تھے جن کا دعویٰ تھا کہ وہ دین کے پیروکار ہیں اور بے چوں و چرا اس پر عمل کرنے والے ہیں ۔بہت سے لوگ تھے جو حسین ابن علی (ع) کو فرزند رسول کے عنوان سے پہچانتے تھے، مانتے تھے اور ان سے محبت بھی کرتے تھے لیکن جب امام حسین علیہ السلام مکہ سے نکلنے لگے تو ان میں سے بہت سے امام کے ساتھ آنے پر تیار نہ ہوئے ۔آپ یہ تصور نہ کریں کہ عبداللہ ابن جعفر امام کو نہیں مانتے تھے یا بنی ہاشم کے وہ افراد جو امام کے ساتھ نہیں آئے امام کو امام نہیں سمجھتے تھے ۔جی نہی؛ ایسا نہیں ہے ۔یہ سب حسین ابن علی کو اپنا امام مانتے تھے انہیں فرزند رسول اور ایک عظیم انسان سمجھتے تھے لیکن ان کا ساتھ دینے پر آمادہ نہ ہوئے چونکہ امام کا ساتھ دینا بہت سخت تھا۔

صبر جمیل:

امام حسین علیہ السلام اپنا سب کچھ اپنا سب سے قیمتی اور عظیم سرمایہ میدان میں لے کر آگئے تا کہ دین کا دفاع کریں اور پھر صبر بھی کیا۔امام کا یہ صبر بہت اہمیت کا حامل ہے ۔ہم نہیں جانتے" صبر" کسے کہتے ہیں ۔ صبر کی حقیقت کو صبر کی جگہ سمجھا جا سکتا ہے ۔بہت سی بزرگ شخصیتیں، محدثین، برجستہ افراد عقلا، ہمدرد، سب بار بار آتے تھے اور امام سے کہتے ہیں آپ ایک ایسا کام کرنے جا رہے ہیں جس کا کوئی فائدہ نہیں ہے ۔خود آپ کا

بھی گھاٹا ہوگا اور خاندان پیغمبر کو بھی ۔اور آپ کے اس کام سے اہل حق ذلیل و رسوا ہونگے ۔
اس طرح کی باتیں کرتے تھے ۔جب امام نے مکہ سے نکلنے کا ارادہ کیا اور بہت سے افراد کو معلوم ہوا تو اخلاقی رکاوٹیں شروع ہوگئیں اور شب عاشور تک جاری رہیں ۔لیکن امام عالی مقام نے ان تمام چیزوں کے مقابل صبر کیا وہی صبر جس کا میں نے تذکرہ کیا۔امام خمینی (رح) نے بھی اسی طرح صبر کیا۔جب آپ نے تحریک شروع کی تو آپ سے کہا جاتا تھا :" آقا یہ جوان نابود ہو جائیں گے ۔قتل کر دئے جائیں گے ،حکومت اور نظام خطرہ میں پڑ جائے گا"لیکن آپ نے صبر کیا۔ان خیر خواہوں کی نصیحتوں کے آگے صبر کرنا بہت عظیم کام ہے ۔صبر کرنے کے لئے بہت قوت و طاقت درکار ہے ۔صبر صرف جسمانی مشکلات اور اذیتوں کے مقابل نہیں ہے ۔مصلحت پسندی اور مصلحت تراشی جیسے دباؤ کے مقابلے صبر اور صحیح ،اور واضح راستے سے جدا نہ ہونا وہ صبر جمیل ہے جسے امام حسین (ع) نے انجام دیا۔

سب کچھ قربان کر دینا:

ایک محدث یا ایک مفسر وہ شخص ہوتا ہے لوگ جس کے پاس آتے ہیں ۔اس کے علم سے فیضیاب ہوتے ہیں اور اس کی نصیحتوں کو سنتے ہیں ۔اس طرح کے افراد تھے ،اس طرح کے نمایاں افراد تھے جو لشکر حسینی میں شامل تھے ۔البتہ ان بہتر افراد کے ساتھ کچھ خواتین ، کچھ بچے ،بہنیں ،بیویاں ،بیٹیاں حرم اہل بیت ،امام حسین علیہ السلام کے اعزا و اقارب یہ سب تھے جنہیں امام اپنے ساتھ لائے تھے ۔ان سب کو لائے تا کہ اسلام اور خدا کی راہ میں قربانی دیں ۔امام حسین (ع) کو آغاز سفر ہی سے اس واقعہ کی توقع تھی ۔امام حسین (ع) کا قیام اس شخص کی طرح نہیں تھا جو موت سے فرار اختیار کر رہا ہو ۔بلکہ وہ اس شخص کی طرح تھے جو مسکرا کر موت کا استقبال کرتا ہے ۔

ایسا نہیں ہے کہ امام حسین علیہ السلام حکومت کے خواہاں نہیں تھے ،یا کوفہ کو اپنے کنٹرول میں نہیں لینا چاہتے تھے یا یہ کہ وہ صرف ایک کھیل تماشا کر رہے تھے ،امام حسین علیہ السلام یقیناً کوفہ کی حکومت کے لئے نکلے تھے لیکن اپنی شہادت کو بھی دیکھ رہے تھے اور جو افراد ان کے ساتھ تھے اور ان کی بات سنتے تھے ان سے فرمایا کرتے تھے (ألا ومن كان باذلا فينا مهجته و مؤطئا الى لقاء الله نفسه...) وہ شخص جو حاضر ہے کہ ہماری راہ میں اپنا خون دے ،خود بھی حاضر تھے کہ اپنا خون دیں ،مکمل طور سے آمادہ تھے ۔وہ شخص جس نے اپنے نفس کو آمادہ کر لیا ہے خدا سے ملاقات کے لئے ۔امام نے اپنے کو آمادہ کر لیا تھا کہ خدا سے ملاقات کریں اور جانتے تھے کہ شہید ہو جائیں گے اور انہیں یہ امید بھی تھی کہ شہادت سے پہلے اپنے مقصد تک پہنچ جائیں گے ۔امام حسین علیہ السلام کے پاس جو کچھ تھا سب لے کر آئے اس خونخوار دشمن اسلام اور قرآن کے

سامنے، کیونکہ جانتے تھے کہ اس قربانی سے راستہ کھل جائے گا۔

تلوار کا ہمیشہ تیار رکھنا:

ایک روایت کے مطابق شب عاشور امام حسین علیہ السلام تنہائی میں ایک شعر گنگنا رہے تھے جس کا مفہوم یہ تھا کہ اب ان کا وقت آخر آگیا ہے جناب زینب سلام اللہ علیہا وہیں کھڑی تھیں لہٰذا یہ سن کر گریہ کرنے لگیں۔ روایت میں یہ بھی ہے کہ امام حسین علیہ السلام اس وقت اپنی تلوار کو صیقل کر رہے تھے۔ یعنی امام حسین علیہ السلام یہ نہیں کہہ رہے تھے کہ کل تو ہم جانا ہی ہے اب چاہے ایک گھنٹے پہلے یا ایک گھنٹہ بعد میں لہٰذا اگر تلوار تھوڑی کند بھی ہے تو کیا فرق پڑتا ہے۔ جی نہیں! راہ خدا میں جہاد کرنے والے کی تلوار کند نہیں ہونی چاہئے یعنی اس کی قوت وطاقت بہت اعلیٰ وارفع ہونی چاہئے۔

زینبی کردار:

جناب زینب سلام اللہ علیہا کی شخصیت غم واندوہ اور تیمارداری میں ہی خلاصہ نہیں ہوتی بلکہ وہ ایک مسلمان خاتون کا مکمل نمونہ تھیں۔ یعنی وہ آئیڈیل جسے اسلام نے خواتین کی تربیت کے لئے لوگوں کے سامنے پیش کیا ہے۔ زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا کی شخصیت، ایک ہمہ گیر شخصیت ہے۔ عالم و دانا، صاحب معرفت اور ایک نمایاں انسان کہ جب بھی کوئی ان کے سامنے کھڑا ہوتا ہے ان کی علمی ومعنوی عظمت اور معرفت کے آگے سر تسلیم خم کر دیتا ہے۔

ایک مسلم خاتون جس پہلو کو دنیا کے سامنے پیش کر سکتی ہے یہی ہے یعنی اسلام کو اپنے وجود میں بسانا۔

ایمان کی برکت اور اپنے آپ کو خدا کے حوالے کر دینے سے ایک مسلمان عورت کا دل اس قدر کشادہ ہو جاتا ہے اور وہ اتنی مضبوط ہو جاتی ہے کہ بڑے بڑے حادثات اس کے آگے گھٹنے ٹیک دیتے ہیں۔

زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا کی زندگی کا یہ پہلو سب سے زیادہ نمایاں ہے۔ عاشورا جیسا عظیم واقعہ زینب کو جھکا نہیں سکا۔ یزید اور ابن زیاد جیسے ظالم وستمگر افراد کی ظاہری حشمت اور جاہ وجلال زینب کو نہ للکار سکے۔ زینب نے ہمیشہ اور ہر جگہ اپنے آپ کو ثابت قدم رکھا۔ ان کا وطن مدینہ ہو یا سخت امتحان وآزمائش کی آماجگاہ کربلا یا پھر یزید و ابن زیاد کا دربار ہر جگہ زینب ثابت قدم اور سربلند رہی اور باقی سب ان کے آگے سرنگوں ہو گئے۔ یزید اور ابن زیاد جیسے مغرور اور ستمگر افراد اس دست بستہ اسیر کے سامنے ذلیل وخوار ہو گئے۔

زینب کبریٰ کی شخصیت میں ایک طرف صنف نسواں کی عطوفت ومہربانی ہے اور دوسری طرف ایک

مومن انسان کے دل میں پائی جانے والی متانت، عظمت اور سکون و پایداری، ایک مجاہد راہ خدا کی صاف اور گویا زبان۔ایک پاک وخالص معرفت، جوان کی زبان و دل سے نکلتی اور سننے والوں کو مبہوت کر دیتی ہے۔
ان کی نسوانی عظمت، جھوٹے بزرگوں کو حقیر و پست بنا دیتی ہے اسے کہتے ہیں نسوانی عظمت! حماسہ اور عطوفت سے مرکب وہ عظمت جو کسی فرد میں بھی دیکھنے کو نہیں ملتی۔

وہ ہستی جو اپنی متین شخصیت اور پایدار روح کے ذریعہ تمام ناگوار حوادث کو سر کر جائے اور بھڑکتے ہوئے شعلوں کو شجاعت و بہادری سے اپنے پیروں تلے روند ڈالے۔لوگوں کو درس دے اور انہیں بیدار کرے۔ساتھ ہی اپنے زمانے کے امام کو ایک مہربان ماں کی طرح تسلی و تشفی دے۔اور ان نازک حالات اور طوفان حوادث میں یتیم بچوں کی حفاظت اور ان کی تسلی و تسکین کے لئے ایک محکم دیوار بن جائے۔
اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ جناب زینب سلام اللہ علیہا ایک ہمہ گیر شخصیت تھیں۔اسلام ایک عورت کو اسی طرف لے جانا چاہتا ہے۔

ہنرمندانہ گفتگو:

میری نظر میں جناب زینب کو ادبیات و ہنر کے ذریعہ عظیم واقعات وحوادث کی حفاظت کرنے اور انہیں بچانے کا بانی کہا جاسکتا ہے۔
اگر جناب زینب نہ ہوتیں اور ان کے بعد دوسرے اہل حرم جیسے امام سجاد علیہ السلام نہ ہوتے تو تاریخ میں واقعہ کربلا کا نام نہ ہوتا۔

سنت الٰہی یہی ہے کہ اس طرح کے واقعات تاریخ میں باقی رہیں۔البتہ سنت الٰہی کا یہ ایک شیوہ اور طریقہ ہے۔تاریخ میں ان واقعات کی بقا کا طریقہ یہ ہے کہ صاحبان اسرار، اہل درد اور وہ افراد جو ان حقائق سے مطلع ہیں وہ دوسرے کو ان سے آگاہ کریں۔اس لئے اپنی یاد داشت کو بیان کرنا، انہیں مدون کرنا اور حقائق کو دوسرے تک منتقل کرنا ضروری ہے کیونکہ یہ بہت اہمیت کا حامل ہے اور اس کا اپنا ایک مقام و مرتبہ ہے۔
ہنرمندانہ بیان اور گفتگو اس کی ایک بنیادی شرط ہے جیسے کوفہ و شام میں جناب زینب سلام اللہ علیہا کے خطبات حسن بیان اور جذابیت کے اعتبار سے ایک ہنرمندانہ گفتگو تھی۔ایک ایسی گفتگو کہ کوئی بھی اسے نظر انداز نہیں کرسکتا۔جب ایک مخالف اس گفتگو کو سنتا ہے تو وہ ایک تیز تلوار کی طرح اس پر اثر انداز ہوتی ہے۔ہنر کا اثر اپنے مخاطب سے وابستہ نہیں ہوتا۔وہ چاہے یا نہ چاہے ہنر اپنا کام کر دکھاتا ہے شام میں جناب زینب اور امام سجاد نے اپنے فصیح و بلیغ اور ہنرمندانہ گفتگو کے ذریعہ یہی کام کیا۔

قیام امام حسینؑ کے تین بنیادی عناصر:

امام حسین علیہ السلام کے قیام میں تین بنیادی عناصر پائے جاتے ہیں:

(۱) عقل وشعور (۲) عزت وشجاعت (۳) عشق ومحبت

عنصر عقل وشعور:

عقل وشعور کا عنصر امام عالی مقام کے خطبات اور بیانات میں صاف نظر آتا ہے۔ واقعہ سے پہلے سے یعنی مدینہ سے کربلا تک امام کے نورانی بیانات کا ایک ایک جملہ ایک محکم اور پایدار عقل ومنطق کی حکایت کرتا ہے۔ اس منطق کا خلاصہ یہ ہے جب حالات سازگار ہوں، اسباب فراہم ہوں اور موقع غنیمت ہو تو مسلمان کی ذمہ داری ہے کہ وہ قیام کرے۔ چاہے اس میں خطرات ہوں یا نہ ہوں۔ جب اساس دین خطرے میں ہو اور آپ اپنی زبان وعمل سے اس کا مقابلہ نہ کریں تو خدا یہ حق رکھتا ہے کہ اس غیر ذمہ دار انسان کے ساتھ ویسا ہی سلوک کرے جیسے اس ظالم اور ستمگر کے ساتھ کرے گا۔

عنصر عزت وشجاعت:

دوسرا عنصر، حماسہ ہے۔ یہ مجاہدت اور یہ مقابلہ اسلامی عزت ووقار کے ساتھ ہو " **العزۃ للہ ولرسولہ وللمومنین** " کیونکہ عزت صرف خدا، اس کے رسول اور مومنین کے لئے ہے۔ اس قیام اور جہاد میں ایک مسلمان کا فرض ہے کہ اپنی اور اسلام کی عزت کی حفاظت کرے۔ اس مظلومیت کے اوج پر آپ کو ایک چہرہ نظر آتا ہے ایک حماسی اور صاحب عزت چہرہ۔ اگر ہم آج کے سیاسی اور فوجی مقابلوں اور جہاد پر نگاہ ڈالیں تو آپ کو محسوس ہوگا کہ وہ افراد ہاتھ میں بندوق لے کر میدان جنگ کے لئے نکل پڑے، بسا اوقات انہوں نے خود ذلیل کیا ہے۔ لیکن واقعہ عاشورا میں ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔

جب امام حسین (ع) ایک شب کی مہلت مانگتے ہیں تو عزت مندانہ طریقے سے مہلت لیتے ہیں۔ جب ھل من ناصر کہہ کر نصرت طلب کرتے ہیں وہاں بھی عزت واقتدار ہے۔ مدینہ سے کوفہ تک کے راستے میں جب مختلف افراد سے ملتے ہیں، ان سے گفتگو کرتے ہیں اور انہیں اپنی نصرت کی دعوت دیتے ہیں یہ ضعف وناتوانی کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ یہ بھی ایک نمایاں اور دلیرانہ عنصر ہے۔

(اسی زمانے میں) مدرسہ فیضیہ میں عاشور کے دن امام خمینی (رح) کے اس یادگار خطاب کو یاد کیجئے۔ ایک عالم جس کے پاس نہ کوئی مسلح فوجی ہے نہ کوئی ہتھیار لیکن پھر اس عزت ووقار کے ساتھ گفتگو کرتا ہے کہ اپنی عزت

کے آگے دشمن کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ یہ ہے عزت کا مقام و مرتبہ۔

عنصر عشق و محبت:

عاشورا کا تیسرا عنصر مہر و عطوفت ہے۔ جو خود اس واقعہ میں بھی نظر آتا ہے اور اس کے بعد بھی نظر آتا ہے۔ اس عنصر کا بہت اہم رول رہا ہے جس نے عاشورائی اور شیعہ تحریک کو دوسری تحریکوں سے ممتاز بنا دیا۔ عاشورا صرف ایک عقلی اور استدلالی تحریک نہیں ہے بلکہ اس میں عشق و محبت، نرمی و مہربانی اور گریہ و اشک کا عنصر بھی پایا جاتا ہے۔ جذبات و احساسات کی طاقت بہت عظیم طاقت ہوتی ہے۔ اس لئے یہ ہمیں حکم دیتا ہے رونے کا رلانے کا اور اسے واضح اور روشن کرنے کا۔ زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا کوفہ و شام میں ایک گفتگو کرتی ہیں لیکن ساتھ میں مرثیہ بھی پڑھتی ہیں امام سجاد شام کے منبر پر جا کر عزت و افتخار کے ساتھ حکومت وقت کو پکارتے ہیں لیکن مرثیہ پڑھتے ہیں۔ جذبات اور احساسات کے ماحول میں بہت سے ایسے حقائق کو سمجھا جا سکتا ہے جو دوسری جگہوں پر سمجھ میں نہیں آتے۔

عاشورا ایک عید ہوتی اگر یہ درد و غم نہ ہوتے:

واقعہ کربلا کو ایک وقت ہم مصیبت کی آنکھ سے دیکھتے ہیں جس میں تمام مصیبتیں پائی جاتی ہیں ہم اس کا انکار نہیں کرتے بلکہ اس کی تائید کرتے ہیں۔ اور ہمارے لئے اس کی بہت زیادہ برکات تھیں (اور ہیں) اور یہ اس واقعہ کا جذباتی، احساساتی اور عاطفی پہلو ہے۔ امام حسین کون تھے؟ کیوں قتل کیے گئے؟ کیسے قتل کئے گئے؟ کن لوگوں نے انہیں قتل کیا؟ اور اسی طرح کی دوسری چیزیں۔

لیکن ایک بار آپ عاشورا کو اس نگاہ سے دیکھتے ہیں کہ اسلام مر رہا تھا عاشورا نے اسے زندہ کیا۔ اس خون اور اس شہادت کے ذریعہ دم توڑتا اسلام پھر سے زندہ ہو گیا۔ جب آپ اس نگاہ سے عاشورا کو دیکھیں گے تو آپ بھول جائیں گے کہ ایسا کوئی واقعہ پیش آیا تھا۔ آپ سمجھ رہے ہیں نا؟ آپ بھول جائیں گے کہ امام حسین علیہ السلام جیسی کسی شخصیت کا قتل ہوا۔ کیونکہ اس واقعہ کا یہ مثبت پہلو اتنا صاف، شفاف اور حاوی ہے کہ تمام منفی پہلوؤں کو چھپا دیتا ہے۔ یہ بالکل وہی بات ہے جو سید ابن طاووس کہتے ہیں: "اگر یہ درد و غم اور مصیبتیں نہ ہوتیں تو ہم عاشور کے دن نیا لباس پہنتے اور اسے ایک عید کے طور پر مناتے"۔

خون کی خاصیت:

دنیا کی بزرگ اور نمایاں شخصیات جب ایک عظیم مقصد کی راہ میں شہید ہو جاتی ہیں وہ اگر چہ اس تحریک، اس انقلاب یا اس معاشرے کو اپنے فقدان کے ذریعہ ایک اہم اور گرانقدر شخصیت سے محروم کر دیتی ہیں لیکن اپنی فداکاری اور اپنے خون و شہادت کے ذریعہ اس تحریک کو زندہ کر جاتی ہیں۔ بالکل اسی طرح جیسے تاریخ میں ہمارے شہدا کا وجود رہا ہے جس کی ایک واضح مثال واقعۂ کربلا ہے۔

امام حسین علیہ السلام جیسی بے مثل اور گرانقدر شخصیت جب اس دنیا سے اٹھ جاتی ہے اگر چہ معاشرہ کا اس شخصیت سے محروم ہونا ناقابل جبران نقصان اور خلا کا باعث ہے لیکن ان کی قربانی اتنی عظیم ہے کہ تحریک حسینی زندہ جاوید بن جاتی ہے۔ یہ ہے قربانی اور فداکاری کی تاثیر۔ یہ ہے خون کی خاصیت۔ جب دعوے انسانوں کے خون سے جامہ عمل پہن لیتے ہیں تو ہمیشہ کے لئے زندہ ہو جاتے ہیں۔

عزاء برپا کرنے والے غافلو:

مولانا روم نقل کرتے ہیں کہ ایک شاعر شہر حلب میں داخل ہوا۔ اس نے دیکھا کہ پورے شہر کے در و دیوار سیاہ پوش ہیں۔ اس نے سوچا شاید کوئی بادشاہ، شہزادہ، سردار یا شہر کا کوئی معزز انسان دنیا سے چل بسا ہے۔ کسی سے پوچھا کہ آخر کون مر گیا جو پورا شہر سیاہ پوش ہو گیا ہے؟ اس شخص نے اس پر ایک نگاہ ڈالی اور پوچھا کیا تم اس شہر میں اجنبی ہو؟ جواب دیا: ہاں! بولا: میں سمجھ گیا تھا کہ تم اجنبی ہو اسی لئے پوچھ رہے ہو۔ یہ محرم کا مہینہ ہے۔ حسین ابن علی علیہ السلام کی شہادت کا مہینہ ہے اسی لئے ہم سب سیاہ پوش ہو گئے ہیں۔

اب شاعر نے اس سیاہ پوش کے جواب میں شعر کہنا شروع کیا کہ جب یہ لوگ جو درجۂ شہادت پر فائز ہوئے ہیں اور حسین ابن علی شہید کئے گئے ہیں تو یہ ان کی خوشی اور جشن کا دن ہے۔

زانکہ ایشان خسرو دین بودہ اند　　وقت شادی شد جو بگستند بند

سوی شاد روان دولت تاختند　　کندہ و زنجیر را انداختند

وہ شہید ہو کر خوش ہوئے لہٰذا ان کے دوستوں کو بھی ان کی شہادت پر خوش ہونا چاہئے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ آپ کو آج کیوں معلوم ہوا کہ حسین شہید ہوئے؟ آج معلوم ہوا تو عزاداری بپا کر رہے ہیں؟ ان چند سو سالوں میں (چوتھی اور پانچویں صدی میں) دنیائے اسلام یہ نہ سمجھی کہ حسین ابن علی شہید ہو گئے اور انہیں کیوں شہید کیا گیا؟ تم خواب غفلت کا شکار تھے۔

پس عزا بر خود کنید ای خفتگان　　زانکہ بد مرگ ست این خواب گران

حقیقت ہے جو لوگ جو یہ نہ سمجھ پائے کہ حسین کیوں شہید ہوئے۔ جو یہ نہ سمجھ پائے کہ وہ علم جو حسین ابن علی علیہما

اسلا کے ہاتھوں میں تھا وہ کیوں بلند کیا گیا اور حسین کو ماننے والوں کی ذمہ داری کیا ہے، انہیں خود پر رونا چاہئے جب بھی حسین کے نام پر آپ کے دل میں سوزش ہو اور آپ گریہ کریں تو آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ آپ کیوں گریہ کر رہے ہیں۔ آپ کو پتہ ہونا چاہئے کہ اس عزاداری اور ان اشکوں کا کیا پیغام ہے؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم بھی غافل رہیں اور پھر خود پر گریہ کریں اور حسین ابن علی کو نہ سمجھ پائیں۔

چہلم:

چہلم کی اہمیت کس وجہ سے ہے؟ کیا صرف اس لئے کہ امام عالی کی شہادت کے چالیس ان گذر چکے ہیں؟ آخر اس کی کیا خاصیت ہے؟ چہلم کی خصوصیت یہ ہے کہ اس دن سید الشہداء کی شہادت کی یاد تازہ ہوئی اور یہ بہت اہم چیز ہے۔ فرض کیجیے اگر تاریخ میں یہ عظیم واقعہ رونما ہوتا یعنی حسین ابن علی اور ان کے باوفا ساتھیوں کی شہادت ہو جاتی اور بنی امیہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتے یعنی جس طرح انہوں نے امام عالی مقام اور ان کے ساتھیوں کے جسم ہائے مبارک کو خاک وخون میں غلطاں کیا اسی طرح اس وقت کے لوگوں اور آنے والی نسلوں کے ذہنوں سے ان کی یاد بھی مٹا دیتے تو کیا ایسی صورت میں اس کا شہادت کا اسلام کو کوئی فائدہ پہنچتا؟

یا یہ فرض کریں کہ اس وقت اس کا ایک اثر ہوتا لیکن کیا آنے والی نسلوں پر اور مستقبل کی بلاؤں، مصیبتوں، تاریکیوں اور یزیدان وقت پر بھی اس کا کوئی خاص اثر ہوتا؟

ایک قوم کی مظلومیت اس وقت دوسری ستم دیدہ زخمی اقوام کے لئے مرہم بن سکتی ہے جب یہ مظلومیت ایک فریاد بن جائے۔ اس مظلومیت کی آواز دوسرے لوگوں کے کانوں تک بھی پہنچے۔ یہی وجہ ہے کہ آج بڑی طاقتیں ایک آواز پر دوسری آواز بلند کرتی ہیں تا کہ ہماری فریاد بلند نہ ہونے پائے۔ اسی لئے وہ بے تحاشا پیسہ خرچ کر رہے ہیں تا کہ دنیا نہ سمجھ پائے کہ تحمیلی جنگ کیا تھی ، کیوں پیش آئی، اس کا محرک کون تھا، کس کے ذریعہ تھوپی گئی۔ اس وقت بھی استکباری طاقتوں کی پوری کوشش تھی کہ جو بھی جتنا بھی خرچ ہو کسی بھی طرح سے حسین کا نام، ان کی یاد، ان کی شہادت اور کربلا و عاشورا لوگوں کے لئے درس نہ بننے پائے اور اس کی گونج دوسری اقوام کے کانوں تک نہ پہنچے۔ البتہ شروع میں خود ان کی بھی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ یہ شہادت کیا کر سکتی ہے لیکن جتنا زمانہ گزرتا گیا ان کی سمجھ میں آنے لگا۔ یہاں تک کہ بنی عباس کے دوران حکومت میں امام عالی مقام کی قبر کو منہدم کیا گیا۔ اسے پانی سے گھیر دیا گیا۔ تا کہ اس کا کوئی نام نشان باقی نہ رہے۔ یہ ہے شہداء اور شہادت کی یاد کا اثر۔ شہادت اس وقت تک اپنا اثر نہیں دکھاتی جب تک اسے زندہ نہ رکھا جائے گا اس کی یاد نہ منائی جائے اور اس کے خون میں جوش نہ پیدا ہو اور چہلم وہ دن ہے جب پیغام حسینی کو زندہ رکھنے کا پرچم لہرایا گیا اور وہ دن ہے

جب شہداء کی بقا کا اعلان ہوا۔ چہلم وہ دن ہے جب پہلی بار امام حسین کے زائر، ان کی زیارت کو آئے۔ پیغمبر اسلام اور مولائے کائنات کے اصحاب میں سے جابر ابن عبداللہ انصاری اور عطیہ آئے امام کی زیارت کے لئے۔ جابر اگرچہ نابینا تھے لیکن عطیہ کا ہاتھ پکڑ کر امام حسین علیہ السلام کی قبر پر آئے اور زار و قطار رونے لگے۔ امام حسین علیہ السلام سے گفتگو کی، درد دل بیان کیا۔ امام حسین (ع) کی یاد کو زندہ کیا اور زیارت قبور شہدا کی سنت کا احیاء کیا۔ ایسا اہم دن ہے چہلم کا دن۔

جو قوم اسیر ہے:

ہمارے ملک میں لوگ امام عالی مقام کو جانتے اور پہچانتے تھے اور ان کی تحریک سے واقف تھے۔ ان کے اندر حسینی روح تھی اس لیے جب امام خمینی (رح) نے فرمایا کہ محرم وہ مہینہ ہے جب شمشیر پر خون کی فتح ہوگی تو لوگوں نے تعجب نہیں کیا اور یہی ہوا بھی خون شمشیر پر فتح پا گیا۔ کئی سال پہلے یعنی انقلاب اسلامی کی کامیابی سے پہلے ایک نشست میں حقیر نے اسی بات کو سمجھانے کے لئے مولانا روم کی زبانی ایک مثال دی اور وہ مثال یہ تھی کہ ایک شخص تھا جس نے گھر میں ایک طوطا پال رکھا تھا۔ ایک بار اس نے ہندوستان سفر کا ارادہ کیا۔ جب وہ اپنے اہل و عیال سے رخصت ہونے لگا تو اپنے اس طوطے کے پاس بھی گیا اور اس سے کہا: میں تمہارے وطن ہندوستان جا رہا ہوں (تمہیں اپنے ہم وطنوں سے کچھ کہنا ہے) طوطے نے کہا: جب وہاں پہنچو تو فلاں جگہ جانا وہاں میرے بہت سے ساتھی ہوں گے ان سے میرا حال زار بیان کرنا اور کہنا تمہاری طرح کا ایک طوطا میرے گھر میں بھی ہے جسے میں نے پنجرے میں بند کر کے رکھا ہے۔ (میرا یہ پیغام پہنچا دینا) اس کے لئے علاوہ مجھے کچھ نہیں کہنا ہے۔ جب وہ ہندوستان پہنچا اور اس جگہ گیا تو دیکھا کہ درختوں پر بہت سے طوطے بیٹھے ہوئے ہیں۔ ان کو دیکھ کر کہنے لگا: اے پیارے اور شیریں زبان طوطو! میں تمہارے لئے ایک پیغام لایا ہوں۔ تمہارا ایک ساتھی میرے گھر میں پنجرے میں بند ہے۔ بہت خوش و خرم ہے۔ اچھے سے اچھا کھانا کھاتا ہے۔ اور خوب مزے کرتا ہے اس نے تم سب کو سلام کہا ہے۔

جیسے ہی تاجر نے یہ پیغام سنایا سب طوطے پر پھڑ پھڑا کر زمین پر گر پڑے۔ تاجر آگے بڑھا اور دیکھا کہ سب مر گئے ہیں۔ اسے بہت افسوس ہوا کہ آخر میں ایسی بات کیوں کہی جسے سن کر انہوں نے اپنی جان دے دی۔ لیکن اب تو ہو چکا تھا کچھ کیا بھی نہیں جا سکتا تھا لہٰذا وہ پلٹ آیا جب گھر آیا تو پنجرے کے پاس جا کر طوطے سے کہنے لگا: میں نے تیرا پیغام تیرے ساتھیوں تک پہنچایا۔ پوچھا: انہوں نے کیا جواب دیا: کہا: جیسے ہی انہوں نے تیرا پیغام سنا پروں کو پھڑ پھڑاتے ہوئے درختوں سے زمین پر گرے اور مر گئے۔ جیسے ہی تاجر کی باتیں ختم ہوئی اس طوطے نے بھی اپنے پر پھڑ پھڑائے اور پنجرے ہی میں ڈھیر ہو گیا۔ تاجر کو اس بات کا بہت

افسوس ہوا اور سوچنے لگا اب تو یہ مر چکا ہے یہاں رکھنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ لہٰذا اس نے پنجڑہ کھول کر اسے پیروں سے پکڑا اور چھت کی طرف اچھال دیا۔ جیسے ہی تاجر نے اسے اوپر اچھالا وہ اڑتا ہوا ایک دیوار پر جا کر بیٹھ گیا اور تاجر سے مخاطب ہو کر کہنے لگا: بہت بہت شکریہ تم نے خود مجھے آزادی دلائی ہے۔ میں مرا نہیں تھا بلکہ میں نے اپنے کو مردہ بنالیا تھا اور یہ درس میں نے اپنے ساتھیوں کے عمل سے سیکھا تھا۔ جب ان کو تمہاری زبانی پتہ چلا کہ میں پنجرے میں قید ہوں تو انہوں نے سوچا کہ مجھ سے کس طرح کہیں کہ کیا کروں تا کہ آزاد ہو جاؤں ؟ انہوں نے عملاً مجھے بتایا کہ اپنی نجات کے لئے کیا کروں۔ انہوں نے مجھ سے کہا مر جاؤ تا کہ زندگی پاؤ اور میں نے تمہاری زبانی ان کا یہ پیغام سمجھ لیا۔ یہ ایک عملی پیغام تھا جو اتنی دور سے مجھ تک پہنچا تھا اور میں نے اس سے سبق حاصل کیا۔ تقریبا بیس سال پہلے، میں نے اپنے بھائیوں اور بہنوں سے مخاطب ہو کر کہا: عزیزان گرامی! امام حسین (ع) کس زبان میں کہیں کہ ہماری ذمہ داری کیا ہے؟ حالات ویسے ہی ہیں۔ زندگی وہی ہے۔ اسلام بھی وہی اسلام ہے لہٰذا امام حسین علیہ السلام نے عملا بتایا کہ کیا کرنا چاہئے۔ اگر امام عالی مقام اپنی زبان سے ایک لفظ بھی نہ کہتے تب بھی ہمیں سمجھ جانا چاہئے تھا کہ ہماری ذمہ داری کیا ہے۔ وہ قوم جو اسیر ہے، وہ قوم جو قید و بند میں ہے۔ وہ قوم جس کے حکام فساد کا شکار ہیں۔ وہ قوم جس پر اسلام کے دشمن حکومت کر رہے ہیں اور اس کی باگ ڈور ہاتھ میں لیتے ہوئے ہیں اسے بہت پہلے سمجھ جانا چاہئے کہ اس کی ذمہ داری کیا ہے۔ کیونکہ امام عالی مقام نے عملاً بتا دیا کہ ایسے حالات میں کیا کرنا چاہئے۔ اسے زبان سے نہیں کہا جا سکتا تھا۔ اگر سو بار بھی زبان سے یہ بات کہتے اور خود نہ جاتے تو ناممکن تھا کہ یہ پیغام تاریخ سے گزر کر ہم تک پہنچتا۔ صرف نصیحت کرنا اور زبان سے کہنا تاریخ سے آگے نہیں بڑھتا کیونکہ ہزاروں طرح سے ان باتوں کی توجیہ اور تاویل کی جاتی ہے۔ لہٰذا عمل ہونا چاہئے اور وہ بھی ایسا عظیم سخت اور فداکاری کے ساتھ کہ جیسا امام عالی مقام نے انجام دیا۔

بعثت بغیر ہجرت:

آج ہماری ذمہ داری یہ ہے کہ اقوام عالم کو یہ سمجھائیں کہ وہ بعثت جس میں ہجرت نہ ہو وہ اسلام کامل نہیں ہے۔ وہ دین جس میں دین کی سیاسی طاقت احکام الٰہی کا نفاذ، اسلامی نظام کی بنیاد اور معاشرے کے پہلو اگر قرآن کے مطابق نہ ہوں تو وہ کامل اسلام نہیں ہے بلکہ ایک ناقص اسلام ہے۔ یہی وہ چیز ہے جس سے آج عالمی استکبار اور اس کے حواری سخت خائف ہیں۔

آپ نے دیکھا ہوگا مکہ کے حادثہ میں، اس سے پہلے یا اس کے بعد بھی یہ بات واضح اور روشن تھی۔ اس مادی دنیا کے حکمران اور عالمی استکبار کے نوکر اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ جتنا ممکن ہو سکے یہ ثابت کریں کہ دین کا سیاسی مسائل سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ دین معاشرے کی باگ ڈور نہیں سنبھال سکتا اور معاشرے کے

سیاسی و اجتماعی مسائل احکام خدا کے ذریعہ حل نہیں کئے جاسکتے ۔ان کی پوری کوشش ہے کہ دین کو سیاست سے بالکل الگ رکھیں ۔

سن ۶۱ ہجری میں واقعہ کربلا ہجرت پیغمبر کا تسلسل تھا فرق صرف یہ ہے کہ پیغمبر ایک اسلامی اور دینی نظام کی بنیاد ڈالنا چاہتے تھے اور امام حسین علیہ السلام اس نظام کو زندہ کرنا چاہتے تھے کیونکہ یہ نظام بنی امیہ اور دشمنان دین کے ہاتھوں انحراف کا شکار ہوگیا تھا ۔

یہ ہے واقعہ عاشورا کی صحیح تفہیم اور مسئلہ ہجرت کی صحیح تفسیر ۔محرم انہیں خصوصیات کی وجہ سے اسلامی معاشرے بالخصوص شیعہ معاشرے میں ایک خاص اہمیت کا حامل رہا ہے ۔البتہ جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا یہ صرف شیعوں سے مخصوص نہیں تھا غیر شیعہ اسلامی ممالک میں بھی محرم، عاشورا اور مصیبت اہل بیت لوگوں کی توجہ کا مرکز رہی ہے جس کی ایک لمبی داستان ہے ۔

انجمن، صرف جذبات کی بنیاد پر نہیں ہونی چاہیے:

انجمن، حسین ابن علی ،مجلس عزا ،سینہ زنی ،نوحہ و ماتم وغیرہ کے نام پر جذباتی اور فکری اجتماع کا نام ہے ۔یعنی بعض لوگ جمع ہوتے ہیں ان کاموں کے لئے اور ان کے کام کی بنیاد جذبات اور فکر دونوں ہیں صرف جذبات نہیں ۔اگر صرف جذبات ہوں تو اس کا زندگی میں کوئی رول اور اثر نہیں ہوتا اور اسی طرح اگر خشک فکر ہو بغیر جذبات کے تو یہ نفوذ اور بقا نہیں رکھتی ۔فکر اس وقت شاداب ہوتی ہے جب جذبات سے ہم آہنگ ہوجائے ۔اور اسکا محور بھی سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کی ذات گرامی ہے ۔ایک ایسا چشمہ جو کبھی خشک نہیں ہوسکتا ایک ایسا دریا جس کی گہرائی تک انسان نہیں پہنچ سکتا البتہ فکر اور جذبات دونوں کے ساتھ ۔

محرم کے ان شب و روز کی قدر سمجھئے اور عزاداری کیجئے اور اس عزاداری میں امام عالی مقام سے درس حاصل کیجئے ۔عزاداری صرف رونے کا نام نہیں ہے ۔گریہ ایک وسیلہ ہے دلوں کی پاکیزگی قلوب کی طہارت اور حسین ابن علی کی عظمت کو سمجھنے کا ۔اس عزاداری سے درس لینا چاہئے ۔انشاء اللہ خدا سید الشہداء علیہ السلام کی نظر لطف و عنایت کو اس قوم کی طرف موڑے اور ان کی دعا کو ہمارے حق میں قبول فرمائے اور ہمیں واقعی شیعہ، اہل بیت کا حقیقی پیروکار اور سچا مسلمان قرار دے ۔

شیعہ سنی اتحاد:

عزاداری کبھی بھی شیعوں سے مخصوص نہیں رہی ہے بلکہ ہر وہ مسلمان جس کے دل میں اہل بیت کی محبت ہے ان کے مصائب پر غمگین اور عزادار رہا ہے ۔اور اس نے مختلف طریقے سے اس محبت اور عشق کا اظہار کیا ہے

مرثیہ خوانی کے ذریعہ، مذہبی انجمنوں میں عزاداری بپا کرکے اور مجلس وماتم کے اجتماع کی شکل میں۔ مراسم عزا نہایت مقدس اور محترم ہیں ہم اپنے ملک میں ہمیشہ صحیح شکل اور پر امن صورت میں ان مراسم کے حامی اور محرک رہے ہیں اور ہمارا اعتقاد ہے کہ دوسرے ممالک میں بھی جہاں جہاں موالیان اہل بیت رہتے ہیں یہ مراسم نہ صرف یہ کہ ان کی انجام دہی میں کوئی حرج نہیں ہے بلکہ بہت اچھا ہے اور قابل قدر ہے۔ البتہ شیعہ سنی دونوں کو اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ کوئی ایسا کام نہ کریں جس سے عالمی استکبار کو اختلاف کی آگ بھڑکانے کا موقع ملے۔ ان مراسم میں کوئی ایسا کام نہ کریں جس سے دوسرے فرقوں کی توہین ہوتی ہو۔ برادران اہل سنت کو اس بات کی طرف مکمل توجہ دینی چاہئے کہ آج عالم استکبار کا مقصد اسلامی مذاہب کے درمیان اختلاف ڈالنا ہے جیسے شیعہ سنی میں اختلاف۔ لہٰذا اس دشمن سے دھوکہ نہ کھائیں۔ عاشورا تاریخ اسلام کا ایک عظیم سانحہ ہے اور محرم میں امام حسین ان کے اصحاب باوفا اور ان کی اولاد کی شہادت کی یاد منانا ہمارا ایک اسلامی فریضہ ہے اور صرف وہی لوگ اس کی مخالفت کرتے ہیں کہ جو حسین ابن علی اور بزرگان دین کے مقصد سے نا آشنا ہیں یا پھر مخالف ہیں۔ عالمی استکبار شدت سے عزاداری اور عاشورا سے خائف ہے اسی لئے اس کی مخالفت کرتا ہے۔

پروگرامنگ ضروری ہے:

محرم وصفر بہت حساس اور اہمیت کا حامل مسئلہ ہے۔ محرم وصفر کے لئے جو چیز سب سے زیادہ ضروری ہے وہ ہے ایک خاص پروگرامنگ۔ مثلا ایک کمیٹی بنائی جائے جو محرم آنے سے پہلے اس کے بارے میں پروگرامنگ کرے کہ آنے والے محرم وصفر میں حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے کون سے موضوعات اہم ہیں۔ ان سے متعلق مواد ومطالب اکٹھا کئے جائیں اور ایک مرکز یا ایک Institute انہیں علما وذاکرین اور خطبا وواعظین کے حوالے کرے۔ ان سے کہا جائے کہ مثلا آج ان موضوعات اور ان مطالب کو بیان کرنے کی ضرورت ہے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر کہا جائے کہ اس لہجہ، اس روش اور اس سیاست کی ضرورت ہے۔

ایک ایسی پروگرامنگ ابھی تک نہیں ہوسکی ہے۔ البتہ پہلے یہ معلوم ہونا چاہئے کہ پروگرامنگ کی کیسے جاتی ہے۔ کہاں سے شروع کی جائے؟ اس سلسلے میں کن لوگوں سے رائے لی جائے؟ اور حاصل شدہ مواد کو کس طرح مختلف افراد تک پہنچایا جائے۔ قرآنی موضوعات حدیثی موضوعات، عالمی، مسائل وغیرہ۔ بہر حال آج ہمارے پاس اسلامی جمہوریہ کا نظام ہے۔ آج ہم ایک مجموعہ کی شکل میں ہیں۔ یک وتنہا نہیں ہیں۔ آج ہمارے پاس ایک نظام ہے۔ آج ہمارے لئے یہ نقص وعیب کی بات ہے کہ تبلیغ کا موسم آئے، ہمارے پاس افرادی قوت بھی ہو لیکن اس کے لئے ہم نے پہلے سے کوئی پروگرامنگ نہ کی ہو۔

سب کا فریضہ:

اگر میں پورے ملک کی مجالس عزا اور عزاداری کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنا چاہوں تو یہ فیصلہ سو فیصد صحیح نہیں ہوسکتا۔ لوگوں کی محبت، خلوص، ارادت، وفاداری اور ایمان کے بارے میں کوئی شک وشبہہ نہیں ہے۔ بعض اہل منبر اور مجالس بہت جذاب اور امتیازی حیثیت کی حامل ہیں۔ بعض عزاداریاں بہت اچھی ہیں لیکن سب کچھ یہی نہیں ہے۔

آج ہمیں پوری کوشش اور ہمت کرنی چاہئے کہ انہیں مجالس عزا کی برکت سے حسین ابن علی کے دئے ہوئے درس کو اپنی پوری قوت وتوانائی کے ساتھ معاشرے کے ذہنوں میں اتاریں کیونکہ آج بحمداللہ ہماری زندگی کی فضاؤں میں امام حسین (ع)، جناب زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا، جناب علی اکبر، حضرت ابوالفضل العباس اور دوسرے بزرگ افراد موجود ہیں اور زندگی کا درس دینے والے یہ سب معلم ہمارے درمیان زندہ ہیں (بل احیاء) یہ وہ کام ہے جو میرا، آپ کا، نوحہ خواں کا، خطیب کا، ماتمی دستوں کا سب کا فریضہ ہے۔ ہمارے پاس ایک خاص ہنر ہے جو کسی کے پاس نہیں ہے۔ کوئی بھی مذہب یا قوم ایک تو اسے اس طرح مجسم نہیں کر پائی جس طرح ہم نے کیا ہے اور دوسرے یہ کہ اسے بقا نہیں دے سکی اس طرح کہ ایمان و جذبات ایک ساتھ مل جائیں اور ایک زندہ تحریک کو وجود میں لائیں جو دن بدن اور زندہ ہوتی جائے۔ آپ کی آج کی عزاداریاں حقیر کی جوانی کے ایام کی عزاداریوں سے زیادہ پرجوش اور بہترین ہیں اور یہ فیضان اسی طرح جاری ہے۔ اب اس کی برکتیں بھی ظاہر ہونی چاہئیں۔

❁❁❁❁❁